بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

اسلام اللہ تعالےٰ کا ابدی، عالمگیر اور آخری پیغام ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی، اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ رہتی دنیا تک کے لیے باعثِ نجات ہے۔

قرآن اللہ کی آخری کتاب اور تا قیام قیامت درسِ ہدایت ہے۔

اللہ تبارک و تعالےٰ نے اس متغیر اور متنوع زندگی کی رہنمائی کے لیے جس دین کو منتخب فرمایا وہ اپنے اندر تکمیل کے ساتھ ساتھ جامعیت کا پہلو بھی لیے ہوئے ہے۔ وہ زندگی سے پُر اور جمود و تعطل سے پاک ہے۔ وہ زندگی کے ہر دور میں رہنمائی کر سکتا ہے، ہر منزل میں اس کا ساتھ دے سکتا ہے، ہر تغیر میں اس کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ وہ کسی خاص نسل کا مذہب نہیں، کسی خاص عہد کی پیداوار نہیں، کسی خاص تہذیب کی یادگار نہیں، کسی خاص خطہ کے لیے مخصوص نہیں۔

وہ فطرت کی طرح ایک ہے اور اپنے اندر فطرت کی سی جامعیت اور عالمگیری لیے ہوئے ہے

فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ۔ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون

وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں، اللہ کے بنائے کو یہی ہے دین درست ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

اسلام سراسر علم و دانش ہے۔ اس کا سنگِ بنیاد ہی تعلیم و تعلم ہے

اقرأ باسم ربک الذی خلق — پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا۔

الرحمٰن علم القرآن — رحمان نے سکھایا قرآن۔

صفحہ
۵
۱۴
۱۹
۲۵
۳۷
۵۲
۶۴
۸۳
۱۰۰

خود حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے:

انما بعثت معلّما — میں معلّم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں

انبیاء کی میراث ان کا علم ہی ہے۔ تاریخ اسلام میں بقا اسی کو نصیب ہوئی جس نے اس علم کی حفاظت میں اپنی مساعی کو صرف کیا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کا اثر تھا کہ جزیرۃ العرب کی اُمّی قوم تیئیس سال کی قلیل مدت میں دنیا کی معلّم و مصلح بن کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ اور چار دانگ عالم کو اپنے نورِ علم اور فیضِ ہدایت سے منور و مستفیض کر دیا۔ لاکھوں کی تعداد میں یہودی، عیسائی اور مجوسی قومیں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئیں۔ عالم کی جہانبانی امتِ مسلمہ کو سپرد ہوئی اور وہ ہزار برس تک اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دیتی رہی۔ اس طویل مدت میں امتِ مسلمہ کو بارہا علمی و عملی حوادث و فتن سے دوچار ہونا پڑا لیکن انھوں نے ہر فتنہ کا بڑی بے جگری اور پامردی سے مقابلہ کیا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ اس فتنہ کا پوری طرح سر کچل کر نہ رکھ دیا۔

بنو عباس کے دور میں فلسفہ نے وہ زور دکھایا کہ ایوانِ اسلام کے در و دیوار ہل گئے۔ اور قریب تھا کہ الحاد کا سیلاب قوم کے دانشور طبقہ کو اپنی رو میں بہا لے جائے، لیکن علماءِ اسلام اس سیلاب کے مقابلہ میں پہاڑ کی طرح جم گئے، اور تھوڑے ہی دنوں میں قوم میں ایسے باہمت اور صاحبِ عزم لوگ پیدا ہو گئے جنھوں نے اس فلسفہ کا علم و عقل کی روشنی میں جائزہ لیا اور پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دکھایا۔ فلسفہ کا سارا رعب ذہنوں سے اٹھ گیا۔ اور سب کو معلوم ہو گیا کہ فلسفہ کے جو مسائل فی الواقع صحیح تھے ان کو مذہب سے بیر نہ تھا۔ اور جو باتیں مذہب کے مخالف تھیں وہ فلسفہ اور حقیقت شناسی پر مبنی نہ تھیں۔ بلکہ وہ ان نام نہاد حکماء و فلاسفہ کی نری وہم پرستی کا نتیجہ تھیں جن کو غلطی سے فلسفہ کے مباحث میں داخل کر دیا گیا تھا۔ تاریخ ملل و نحل پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ غیر قوموں کے فلسفہ نے مسلمان قوم پر کیا اثر ڈالا، کس طرح امتِ مسلمہ کی وحدت اس فلسفہ کے اثر سے پارہ پارہ ہو کر مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں بٹی اور کس طرح متکلمین کی ان تھک مساعی اور علمی موشگافیوں کی بدولت یہ نئی نئی ٹولیاں ختم ہو گئیں اور پھر اسلام اپنے اصلی روپ میں نکھر کر نمودار ہوا۔ اور تمام فرقِ باطلہ کا قلع قمع ہو کر دوبارہ سنت کا بول بالا ہوا، اور اسلامی وحدت کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر نئے سرے سے بندھ گیا۔

صلیبی جنگوں میں جس طرح پرستارانِ صلیب نے ایکا کر کے عالم اسلام پر دھاوا بولا اور تثلیث کے علمبرداروں کا لشکر جس طرح مور و ملخ کے مانند منڈا منڈ کر عالم اسلامی کے خلاف صف آراء ہوا اگر مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور قوم ان کے مدِ مقابل ہوتی تو اس کے چھکے چھوٹ جاتے مگر یہ مسلمانوں ہی کا دل گردہ تھا کہ انھوں نے کفار کے اس ریلے کو

آگے بڑھنے سے روک دیا اور پے در پے دشمن کو ایسی شکستیں دیں کہ اس کے حوصلے جاتے رہے۔ اور آخر کار بے نیل مرام ناکام و نامراد لوٹ جانے کے سوا اس کے لیے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔

تاریخ اسلام کا سب سے عظیم فتنہ جس سے مسلمانوں کو اپنے دورِ اقتدار میں نپٹنا پڑا وہ فتنۂ تاتار ہے جس نے اسلامی دنیا کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ بے شمار مسلمان تہہ تیغ ہو گئے۔ ماوراء النہر کی آخری سرحد سے لے کر دار الخلافہ تک کوئی قابلِ ذکر شہر نہ تھا جہاں قتلِ عام نہ ہوا ہو۔ مدارس برباد ہو گئے، خانقاہیں تباہ ہو گئیں، کتب خانے جلا دیے گئے، اور مسلمانوں کی عظمت کا آفتاب غروب ہو گیا۔ شیخ سعدی شیرازی نے اس دردناک حادثہ کا نقشہ جو ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنیں

وہ بالکل صحیح کھینچا ہے اور حقیقت کی واقعی ترجمانی کی ہے۔ لیکن مسلمان قوم نے اس حادثہ پر بھی ہار نہیں مانی۔ وہ برابر کوشش کرتے رہے اور آخر ایک صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ ان کی مساعی بار آور ہوئیں اور انھوں نے اپنے قاتل دشمن کو جیت لیا اور بقول اقبال:

صاف ظاہر ہے یہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اب اسلام کی حمایت کا علم اسی ترک قوم کے ہاتھ میں آگیا جو کبھی اسلام کو مٹانے کے لیے اٹھی تھی۔ مگر

•

پچھلی گزشتہ تقریباً تین صدیوں سے حوادث دہر نے تسلطِ فرنگ کی صورت میں نئی کروٹ لی۔ مگر کیا اس وقت علمائے اسلام خاموش رہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ انھوں نے ملی آزادی، مذہبی روایات کو برقرار رکھنے اور اسلامی تعلیمات کو زندہ رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ زمانے کا دھارا ہی الٹا بہہ گیا۔ مگر وہ جہاں تھے وہیں جمے رہے یہ تسلیم کہ وہ اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹے۔ لیکن یہ بھی عیاں کہ وہ ان حالات میں کوئی ترقی بھی نہ کر سکے۔ زمانہ ان سے سینکڑوں سال آگے نکل گیا اور وہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ اس دور میں دیگر اسلامی ممالک کی طرح برصغیر پاک و ہند بھی اس مصیبت کا شکار رہا۔ مگر آج بحمد اللہ پاکستان میں وہ حالات نہیں۔ آج ہم ایک اسلامی نظریات پر مبنی مملکت میں ہیں۔ ہمارے حالات ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہمیں دنیا کا ساتھ دینے کے لیے اسلامی تعلیمات و روایات کو ساتھ

لے کر پوری محنت، جانفشانی اور جد و جہد سے آگے بڑھنا ہوگا۔ ہمیں عہد حاضر کی نئی نئی تحقیقات سے روشناس ہونا ہوگا۔ اپنے دور کے معاشرتی و معاشی مسائل کو سمجھ کر ان کا اسلامی حل پیش کرنا ہوگا۔
سب سے اہم اپنے ان بھائیوں کو اپنے قریب تر لانا ہوگا جو سابقہ دورِ غلامی میں کسی سبب سے ہم سے نظریاتی اعتبار سے دور ہو گئے ہیں۔ ان میں جذب یقین کی حلاوت، ایمان اور اسلام پر فدا ہونے کی کیفیت پیدا کرنا ہوگی۔ لیکن یہ کام جس قدر اہم ہے اسی قدر مشکل بھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں علماء کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو جو علوم جدیدہ اور علوم قدیمہ دونوں کی یکساں جامع ہو۔ پھر ان میں کچھ اللہ کے بندے جو فہم و فراست کے ساتھ زیور اخلاص سے بھی آراستہ ہوں اس کام کو انجام دینے کا بیڑا اٹھائیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے نکلیں جو اپنے کردار کی خوبی اور اخلاص عمل سے اس نسل کو متاثر کریں۔ کچھ اپنی علمی صلاحیتوں کو روبکار لائیں اور عصر حاضر کے چیلنج کا علمی جواب دیں۔ جدید انداز پر ہر علم و فن میں تصانیف کی ایسی طرح ڈالیں کہ جس سے اسلام کی بالادستی عیاں ہو، اور صاف معلوم ہو جائے کہ انسانیت کی نجات کا راستہ اسلام کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ جامعہ اسلامیہ کی تاسیس وقت کے اسی تقاضے کے پیش نظر ہے۔

جامعہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ ہے۔ اکیڈمی کا قیام ۲۹ رمئی ۱۹۶۲ء کو عمل میں آیا۔ پروگرام کے مطابق خطیبوں اور اماموں کی تربیت کا آغاز کیا گیا۔ خطباء کے تین بیچ کامیابی کے ساتھ تربیت لے کر نکلے۔ اکیڈمی میں تین ماہ کی قلیل مدت قیام نے ان کی نظر میں وسعت پیدا کر دی۔ انھیں ایک طرف علوم قدیمہ پر تحقیقی عبور حاصل ہوا تو دوسری طرف علوم جدیدہ سے خاصا لگاؤ پیدا ہو گیا۔ دورِ حاضر کے اخلاقی، سماجی اور اقتصادی مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ اسلام کے روحانی و اخلاقی اقدار کو دوسروں تک دلنشین انداز میں پہنچانے کی قوت پیدا ہوگئی۔ اور اسلامی رواداری اور تعاون کو عوام و خواص میں اجاگر کرنے کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ لیکن تجربہ کار نگاہوں نے دیکھ لیا۔ دردمند، دور اندیش، ملک و ملت کے بہی خواہ اور مخلص دلوں نے یقین کر لیا کہ اس اکیڈمی کے مختصر کورس سے وہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے جن کی خواہش عوام و خواص سب کو ہے۔

اس کے لیے ایک ایسے جامعہ کی ضرورت تھی جو بغداد، قرطبہ اور غرناطہ کے جامعاتِ اسلامیہ کی یاد تازہ کر دے۔ جہاں سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ایسے عالم نکلیں جو ایک طرف دینی اور مذہبی تعلیمات میں پایۂ اجتہاد رکھتے ہوں اور دوسری طرف علوم عصری میں پوری مہارت کے مالک ہوں۔ تاکہ وہ دین کا راستہ بھی دکھا سکیں اور دنیاوی امور میں بھی ہماری رہبری کر سکیں اور اپنے علم و

عمل سے ہر اس غفلت کو پاٹ دیں جو دین و دنیا میں تفریق کا باعث بنتی ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ جامعہ کا افتتاح ہمارے ملک کے ہر دلعزیز صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب کے ہاتھوں ۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کو ہوا۔ صدر مملکت نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

" پاکستان کی بنیاد مذہب پر ہے۔ ہم نے اپنے مذہب اور تمدّن کو محفوظ کرنے کے لیے پاکستان کا مطالبہ کیا اور خداوند کریم نے اپنی مہربانی سے ہمیں پاکستان جیسی نعمت عطا کی .... اس لیے ہمارے علمار کا یہ اخلاقی، قومی بلکہ مذہبی فرض ہے کہ وہ اسلام کے دائمی اور سچے اصولوں کو اس زمانے کی ضروریات اور تقاضوں پر چسپاں کر کے دکھائیں کہ اسلام کے اصول اٹل اور سچے ہیں۔"

جامعہ کو عالی جناب ملک امیر محمد خاں صاحب گورنر مغربی پاکستان کی قیادت حاصل ہے۔ جامعہ اسلامیہ آپ کی مخلصانہ سعی اور اس دعا کا نتیجہ ہے جو آپ نے ۲۹ رمئی ۱۹۶۲ء کو اکیڈمی علوم اسلامیہ کی رسم پرچم کشائی کے موقع پر فرمائی:

"اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق دے کہ اس معزز ادارے کو اسلام کی برکتوں کا ایک ایسا سرچشمہ بنا سکیں جو اپنی تجلیات ایمان اور انوار عرفان سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ تمام نوع انسان کے دلوں کو منوّر کر دے اور جب آنے والی نسلیں ہماری اس حقیر اسلامی خدمت کے نتائج کو دیکھیں تو ہمیں دعائے خیر سے یاد کریں۔"

جامعہ اسلامیہ بہاولپور ایک ایسا ادارہ ہے جس کا نصب العین علوم اسلامیہ کا مطالعہ، تحفظ اور اشاعت ہے۔ اس کا منتہائے نظر اپنے طلبہ کو اس انداز سے تعلیم دینا ہے کہ وہ دین و دنیا دونوں کی نعمتوں سے سرفراز ہوسکیں۔ ساتھ ہی ان میں ایک وسیع النظری پیدا کی جائے کہ وہ جدید طبیعی اور معاشرتی علوم کی روح اور طریق کار کو سمجھنے اور سمجھانے کے قابل ہو جائیں۔ اسلام کی ترجمانی اور تفہیم میں ان سے کما حقہ استفادہ کر سکیں اور قوم کی علمی، اخلاقی اور روحانی ترقی میں ہاتھ بٹائیں۔ یہ ایک ایسا دینی اور علمی ادارہ ہے جس کا مقصد سیاسیات سے بلند رہ کر تحقیق اور خدمت دین میں مصروف رہنا ہے۔

تاریخ سے واقفیت رکھنے والے حضرات پر امت مسلمہ کی وہ تمام کوششیں روز روشن کی طرح واضح

ہیں جو درس و تدریس کو معاصرانہ ضروریات اور وسائل کے مطابق ڈھالنے کے لیے مختلف ادوار میں کی گئیں۔ ازہر اور مدرسہ نظامیہ کا قیام، علی گڑھ یونیورسٹی، دارالعلوم دیوبند ندوۃ العلماء اور پاک و ہند میں دیگر علمی اداروں کا اجراء اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔

تاریخ کے ہر دور میں قوم کی علمی و دینی ضروریات کو پورا کرنے، اخلاقی اور روحانی خدمات کو سرانجام دینے کے لیے ہمیشہ ایسے ادارے وجود میں آتے رہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ اس قسم کی ہر جدوجہد اپنی اپنی جگہ، اور اپنے اپنے زمانہ میں ضروری اور لابدی تھی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان میں سے کوئی ادارہ بھی دور حاضر کی ضروریات کا کفیل نہیں ہو سکتا تھا۔ موجودہ دور میں پاکستان کی روحانی اور ذہنی افکار کی تشفی کے لیے ایک ایسے ادارہ کی اشد ضرورت تھی جو مسلمانوں کی عالمانہ اور محققانہ روایات کو پورے طور سے برقرار رکھتے ہوئے زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر ایک ایسی فکر پیدا کرے جس کی مدد سے زندگی کے مسائل اسلام کی روشنی میں حل کیے جاسکیں۔ اس اہم ضرورت کو جامعہ اسلامیہ نے پورا کیا ہے۔

جامعہ اسلامیہ کا سب سے اہم کام ایک موزون اور جامع نصاب کی تدوین تھا جو علوم قدیمہ و علوم جدیدہ کا سنگم ہو۔ اس امر کو انجام دینے کے لیے جناب ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب نے علماء اور ماہرین تعلیم کی ایک کمیٹی مقرر فرمائی اور خود اس کی صدارت فرما کر ایک نصاب مرتب کیا۔ شیخ محمد اکرام صاحب کی بصیرت، علمائے کرام کا تبحر علمی اور ماہرین تعلیم کی فہم تعلیمی اس کی افادیت کے ضامن بنے۔ کمیٹی نے ڈاکٹر محمود حسین صاحب کی رپورٹ کو جو انھوں نے محکمہ اوقاف کے ایما پر مغربی پاکستان کے مختلف مدارس اور دارالعلوموں کے لیے مرتب کی تھی، ملحوظ رکھا۔

ہمیں خوشی ہے کہ مذکورہ کمیٹی نے مجوزہ نصاب کافی غور و فکر اور احساس ذمہ داری کے ساتھ مرتب کیا۔ اس نصاب میں درس نظامی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جس میں جدید علوم مثلاً انگریزی، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کو مناسب جگہ دی گئی ہے۔ جامعہ اسلامیہ میں اس وقت یہی نصاب جاری ہے جس کو درس اسلامی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ یہ جامعہ اسلامیہ، علوم اسلامیہ کا بارآور مرکز ثابت ہو اور پاکستان کے استحکام کے لیے ممد و معاون ہو۔

"جامعہ اسلامیہ کا نصاب جن ضروریات کو ملحوظ رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اور جامعہ کی تشکیل میں جن امور کا اہتمام کیا گیا ہے، ان کی بنا پر ہم یہ خواب بھی دیکھتے ہیں کہ شاید رحمت ایزدی کے صدقہ اس نظام کی بدولت قوم کی صرف دینی ہی نہیں بلکہ ان بنیادی علمی اور تہذیبی ضرورتوں

کا بھی انتظام ہو سکے جن پر جدید اداروں نے پوری توجہ نہیں دی۔ (اور شاید اپنی علمی اور لسانی مشکلات کی بنا پر کما حقہٗ پورا کر ہی نہیں سکتے)"

جامعہ اسلامیہ کا نظام تعلیم حسب ذیل انداز پر ہے:

درجۂ ثانویہ

درجۂ ثانویہ مڈل سکول تین سال اور ہائی سکول دو سال اور انٹرمیڈیٹ (یعنی درجہ اجازہ سال اوّل و سال دوم) دو سال پر مشتمل ہے۔ ان درجوں میں ملک کے معیاری اور کامیاب ثانوی مدارس کا طریقۂ تعلیم اختیار کیا گیا ہے۔

درجہ اجازہ سال سوم وچہارم

یہ درجے بی۔اے (سال اول و دوم) کے مماثل ہیں۔ جامعہ کے درجۃ الاجازہ سال چہارم کے فارغ التحصیل طالب علم، علوم دینیہ میں دسترس رکھنے کے علاوہ انشاء اللہ جدید علوم میں موجودہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بی۔اے سے کسی طرح کم نہ ہوں گے۔

درجۃ التخصص

یہ درجہ دو سال کے کورس پر مشتمل ہے جو پاکستان کی دیگر یونیورسٹیوں کے ایم۔اے کے مماثل ہے۔ اس وقت جامعہ میں ایم۔اے کی مختلف شعبے یونیورسٹیوں کے نہج پر کامیابی سے کام کر رہے ہیں۔ ان شعبوں کے صدور (شیوخ دپروفیسروں) کو وہی حقوق و مراعات حاصل ہیں جو دوسری یونیورسٹیوں کے شعبوں کے کسی صدر کو حاصل ہوتی ہیں۔

ہمیں مسرت ہے کہ جامعہ ازہر کی طرح جامعہ اسلامیہ میں بھی ملک کے ممتاز علماء علوم اسلامیہ کا درس دے رہے ہیں۔ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی جو پہلے کوئٹہ اکیڈمی میں علوم الٰہیہ کے پروفیسر تھے اور سابق ریاست قلات میں وزیر معارف رہ چکے ہیں، آپ جامعہ میں شیخ التفسیر ہیں۔ حضرت مولانا کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا سید احمد سعید صاحب "کاظمی" جو اپنے تبحر علمی، صوفیانہ روش کے سبب ملک کے گوشہ گوشہ میں مشہور ہیں جامعہ میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں۔ جامعہ کو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ اس نے اسلامی تاریخ کا ایک شعبہ کھول کر ایک شیخ التاریخ کا تقرر کیا اور اس کرسی پر پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ ادب عربی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب جلوہ افروز ہیں۔ حضرت مولانا محمد صادق صاحب سابق ناظم امور مذہبیہ

۱۔ مقدمہ درس اسلامی از ڈاکٹر محمد اکرام صاحب چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف سی۔ ایس۔ پی

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی ایسی گرانمایہ شخصیتیں ہیں جن میں سے کسی ایک کا نام بھی کثیر طلبہ کے لیے کشش کا باعث ہو سکتا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جامعہ میں قدیم اور جدید علوم کے ماہرین تعلیم مصروف کار ہیں۔ نصاب کی جامعیت اور اساتذہ کا اپنے اپنے فن میں یکتائے روزگار ہونا یقیناً نیک فال ہے۔ ہماری دعا ہے کہ رب العزت ہمیں ہمارے مقاصد میں نمایاں کامیابی بخشے۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

ہم چاہتے تو جامعہ کو بے شمار طلبہ کا مرکز بنا سکتے تھے لیکن ہمارے سامنے تعداد نہیں بلکہ تعلیمی معیار اور اعلیٰ روایات کو قائم کرنا ہے۔ ہمارا مطمح نظر اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے موزوں و مناسب طلبہ کا انتخاب کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ سال جامعہ کے امتحانات داخلہ کے بورڈ نے درجۂ التخصص کے دو سو سے زائد امیدواران میں سے صرف سترہ طلبہ کو منتخب کیا۔ ان معیاری انتخابات کے باوجود جامعہ میں طلبہ کی مجموعی تعداد دو سو سے زائد رہی جن میں سے بی۔ اے اور ایم۔ اے کے تقریباً ساٹھ طلبہ سینئر بورڈنگ میں مقیم ہیں اور بقیہ طلبہ جامعہ کے جونیئر بورڈنگ میں ہیں۔

جامعہ کا کتب خانہ دو حصوں میں منقسم ہے۔

ایک حصہ میں درجۂ ششم سے اجازہ سال دوم تک کی درسی کتب فراہم کی گئی ہیں۔ یہ کتب طلبہ کو عاریتہً دی جاتی ہیں۔

دوسرا حصہ تقریباً چار ہزار کتب درسیہ و کتب مراجعت پر مشتمل ہے۔ جس سے جامعہ کے شیوخ، اساتذہ، اور اعلیٰ درجوں کے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔ یہ کتب خانہ کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد جدید انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔ اکیڈمی علوم اسلامیہ کی بیشتر کتب مراجعت بھی اس حصہ میں منتقل کر دی گئی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ جناب شیخ محمد اکرام صاحب کی کتب کا ہدیہ اس میں ایک نمایاں اضافہ کرے گا۔

بایں ہمہ کتب خانہ کی یہ ابتداء ہے۔ ہمارے سامنے ایک ایسے عالی شان کتب خانے کا تصوّر ہے جس میں کتب مراجعت کے وسیع ذخیرہ کے ساتھ ایسے نوادر بھی مہیا ہوں جو اطراف عالم سے تحقیقی کام کرنے والوں کا مرکز ثابت ہوں۔

جامعہ کا پہلا سال جون ۱۹۶۴ء میں ختم ہوا۔ جامعہ کے سالانہ امتحانات یونیورسٹی کے بہترین انداز پر لیے گئے۔ اعلیٰ درجوں میں بیرونی ممتحنین مقرر کیے گئے۔ ان میں سے اکثر مختلف یونیورسٹیوں میں اپنے اپنے شعبوں